Dareecha-e-Tahqeeq
دریچۂ تحقیق
ISSN Online 2790-9972
ISSN PRINT 2958-0005
VOL 6, Issue 2
dareecha.tahqeeq@gmail.com
www.dareechaetahqeeq.com

محمد آصف
یونیورسٹی آف سندھ جامشورو

اردو زبان میں صنفی امتیاز: لسانیاتی تجزیہ

Muhammad Asif
University of Sindh Jamshoro

Gender Discrimination In The Urdu Language: A Linguistic Analysis

This research article presents a linguistic analysis of gender discrimination in the Urdu language. Language is not only a medium of communication but also a mirror reflecting the cultural and societal norms of a community. It both shapes and is shaped by the values and ideologies of its speakers. Urdu, as a major literary and cultural language of South Asia, contains visible and subtle patterns of gender differentiation that can be identified across various linguistic levels. The study applies principles of structural linguistics to explore how gender bias is embedded in the lexical choices, syntactic structures, and discourse practices of Urdu. It investigates gendered expressions, pronoun usage, and semantic associations prevalent in Urdu literature, media, educational content, and everyday conversation. The paper also examines how linguistic elements serve to reinforce traditional gender roles and hierarchical social structures. Furthermore, the article addresses the interpretive challenges of gendered symbols and the influence of sociocultural contexts in shaping gendered language. It argues that gender equality in language cannot be achieved solely through linguistic reforms, but requires broader socio-cultural transformation. This analysis highlights the importance of revisiting linguistic policies and pedagogical practices to promote a more inclusive and equitable use of Urdu. By identifying gendered patterns in language, the study encourages critical awareness and advocates for change that supports gender equity in linguistic representation and practice.

Keywords : Urdu Language،Gender Discrimination،Linguistic Analysis ،Structural Linguistics،Gendered Language،Language And Society ،Gender Equality

زبان کسی بھی قوم کی تہذیبی، معاشرتی اور فکری شناخت کا آئینہ ہوتی ہے۔ یہ صرف اظہارِ خیال کا ذریعہ ہی نہیں بلکہ انسانی رویوں، افکار، عقائد اور معاشرتی ساخت کی تشکیل میں بھی کلیدی کردار ادا کرتی ہے۔ زبان کے ذریعے نہ صرف خیالات کی ترسیل ہوتی ہے بلکہ اس کے ذریعے ایک مخصوص نظریہ، اقدار اور ترجیحات بھی منتقل کی جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لسانیات کے جدید مکاتبِ فکر میں زبان کو ایک سماجی مظہر کے طور پر دیکھا جاتا ہے، جو معاشرتی طاقت کے توازن، طبقاتی امتیاز اور صنفی فرق کو ظاہر کرتی ہے۔

صنف (Gender) کا تعلق صرف حیاتیاتی فرق سے نہیں بلکہ یہ ایک سماجی تشکیل ہے جو مختلف ثقافتوں، تہذیبوں اور زبانوں میں مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ زبان چونکہ معاشرتی اقدار کا ترجمان ہوتی ہے، اس لیے اس میں صنفی امتیاز (Gender Bias) کا پایا جانا ایک فطری امر بن جاتا ہے۔ صنفی امتیاز سے مراد وہ نظریاتی، فکری یا لسانی فرق ہے جو مرد اور عورت کے کردار، حیثیت اور اہمیت کو مختلف انداز میں پیش کرتا ہے۔ اردو زبان میں بھی یہ امتیاز متعدد سطحوں پر دکھائی دیتا ہے، خواہ وہ محاورات ہوں، روزمرہ کی بول چال، ادبی اظہار، یا رسمی و غیر رسمی تحریریں۔

اردو زبان برصغیر کی مشترکہ تہذیب کا ورثہ ہے۔ اس میں فارسی، عربی، سنسکرت اور دیگر زبانوں کا گہرا اثر ہے۔ ان سب زبانوں اور ثقافتوں میں مرد کو مرکزی حیثیت حاصل رہی

ہے اور عورت کو ثانوی درجہ دیا گیا ہے۔ یہی تصور اردو زبان میں بھی در آیا ہے۔ روز مرہ گفتگو میں کئی ایسے الفاظ، اصطلاحات اور محاورے موجود ہیں جو عورت کو کمتر، محدود یا منفی انداز میں پیش کرتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی مرد کسی بات پر پیچھے ہٹ جائے تو کہا جاتا ہے: "یہ تو عورتوں والی بات ہے"۔ اسی طرح "زن، زر اور زمین" جیسے مرکبات بھی عورت کو فتنہ یا آزمائش کے طور پر ظاہر کرتے ہیں۔

صنفی امتیاز کی یہ لسانی جھلکیاں محض اتفاق نہیں بلکہ اس بات کا ثبوت ہیں کہ زبان انسانی شعور، لاشعور اور ثقافت کا حصہ بن چکی ہوتی ہے۔ جب کوئی معاشرہ مرد کو بالاتر حیثیت دیتا ہے تو یہ نظریہ زبان میں بھی منتقل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اردو زبان میں ایسے کئی افعال اور صفات صرف مذکر صنف سے وابستہ سمجھے جاتے ہیں جبکہ مؤنث کے ساتھ ان کی نسبت یا تو کمزوری ظاہر کرتی ہے یا پھر طنز کا پہلو رکھتی ہے۔ مثلاً "دلیر" کو ہمیشہ مرد کے ساتھ منسلک کیا جاتا ہے، جبکہ "شرمیلی" عورت کا صفت بن جاتی ہے۔ اسی طرح "رجل" اور "مردانگی" جیسے الفاظ وقار اور طاقت کی علامت بن چکے ہیں، جبکہ "زنانہ پن" ایک منفی صفت کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔

یہ زبان میں پوشیدہ تعصبات صرف الفاظ کی سطح پر ہی نہیں، بلکہ جملوں کے ساخت، ضمیروں کے استعمال اور فقرے کے سانچے میں بھی جھلکتے ہیں۔ اردو زبان میں ضمیر "وہ" مرد اور عورت دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے، لیکن عمومی طور پر جب کوئی غیر متعین کردار بیان کیا جاتا ہے تو مرد کو ترجیح دی جاتی ہے۔ جیسے "اگر کوئی استاد کلاس میں آئے، تو وہ..." اس جملے میں "استاد" اور "وہ" کا تصور عمومی طور پر مرد ہوتا ہے، جب تک کہ عورت ہونے کی صراحت نہ کی جائے۔

اردو زبان کے ادبی متون میں بھی صنفی امتیاز کا مطالعہ ایک اہم لسانیاتی موضوع بن چکا ہے۔ شعری ادب میں عورت اکثر حسن، محبت یا وفا کی علامت کے طور پر پیش کی گئی ہے، لیکن اس کی شخصیت، فکری صلاحیت یا قوتِ فیصلہ کو اکثر نظر انداز کیا گیا ہے۔ افسانوی ادب میں عورت کی کردار نگاری میں تبدیلی ضرور آئی ہے، لیکن صنفی کرداروں کے درمیان غیر مساوی رویے اب بھی نمایاں ہیں۔

صنفی امتیاز کے لسانی مظاہر صرف اردو کے بول چال یا ادب تک محدود نہیں، بلکہ میڈیا، تعلیم، قانونی دستاویزات اور حتیٰ کہ اشتہارات میں بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ اشتہارات میں مرد کو عموماً طاقت، دانش یا فیصلہ سازی کا استعارہ بنایا جاتا ہے جبکہ عورت کو زیبائش، خدمت یا تابعیت کے کردار میں دکھایا جاتا ہے۔ یہ تمام عوامل مل کر نہ صرف ایک مخصوص ذہن سازی کرتے ہیں بلکہ زبان کے ذریعے معاشرتی رویوں کو تقویت بھی دیتے ہیں۔

لسانیاتی تجزیے کے ذریعے ان صنفی تعصبات کو بے نقاب کیا جا سکتا ہے، تاکہ زبان میں موجود ان امتیازات کی نشاندہی کی جا سکے جو غیر محسوس طریقے سے عورت کے مقام کو محدود کرتے ہیں۔ یہ تجزیہ ہمیں اس طرف متوجہ کرتا ہے کہ زبان کو کس طرح بہتر، منصفانہ اور جامع بنایا جا سکتا ہے۔ اگرچہ زبان خود ایک سماجی مظہر ہے اور اس میں تبدیلی بتدریج واقع ہوتی ہے، تاہم شعوری کوششوں، تعلیم، اور لسانی آگاہی کے ذریعے اس میں بہتری لائی جا سکتی ہے۔

یہ بھی ضروری ہے کہ اردو زبان کی تدریس میں صنفی پہلوؤں پر توجہ دی جائے۔ نصاب میں ایسے مواد کو شامل کیا جائے جو صنفی مساوات کو فروغ دے۔ اساتذہ اور لکھنے والے افراد کو بھی چاہیے کہ وہ ایسے الفاظ، جملے اور انداز سے گریز کریں جو کسی ایک صنف کو کمتر ظاہر کریں۔ زبان میں توازن اور برابری صرف اخلاقی یا نظریاتی تقاضا نہیں بلکہ ایک لسانی ذمہ داری بھی ہے۔

موجودہ دور میں جب دنیا بھر میں صنفی مساوات کا شعور بڑھ رہا ہے، اردو زبان کو بھی نئے سماجی تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں لسانیات کے ماہرین، ادیبوں، اساتذہ اور میڈیا کو باہم مل کر کام کرنا ہوگا تاکہ زبان ایک ایسی صورت اختیار کرے جو سب کے لیے یکساں، مساوی اور باعزت ہو۔

تعارف

زبان صرف اظہارِ خیال کا ذریعہ نہیں بلکہ یہ انسانی سماج، ثقافت، اقدار، اور رویّوں کی آئینہ دار بھی ہوتی ہے۔ زبان کی تشکیل و ترویج میں جو عوامل کارفرما ہوتے ہیں، وہ اس کے استعمال اور ساخت دونوں پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ زبان کے اندر رائج ساختیں، ضمیر، افعال، صنفی تعینات، اور دیگر نحوی و صرفی اجزاء نہ صرف کسی معاشرے کے نظریات و عقائد کو ظاہر کرتے ہیں بلکہ ان کے ذریعے کسی طبقے یا جنس کے ساتھ روا رکھے جانے والے امتیازی سلوک کو بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ اس اعتبار سے زبان اور صنف (Gender) کے مابین تعلق کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا، خصوصاً اردو جیسی زبان میں جہاں زبان کی جنسیت بنیاد بن کر افعال، صفات اور ضمائر کے انتخاب پر اثر ڈالتی ہے۔

اردو زبان میں صنفی امتیاز کی جھلک اس کی روزمرہ بول چال، محاورات، ضرب الامثال، افسانوی ادب، شاعری، اور یہاں تک کہ نصابی کتب میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ مثلاً، اکثر جملوں میں مرد کو اصل یا عمومی کردار کے طور پر پیش کیا جاتا ہے جبکہ عورت کو ثانوی یا محدود کردار میں دکھایا جاتا ہے۔ اسی طرح کچھ الفاظ عورتوں کے لیے خاص منفی مفہوم میں

استعمال ہوتے ہیں جبکہ مردوں کے لیے وہی یا ملتے جلتے الفاظ مثبت یا طاقتور مفہوم رکھتے ہیں۔ یہ صنفی تفریق محض الفاظ تک محدود نہیں بلکہ پورے لسانی نظام کو اپنے دائرے میں لیے ہوئے ہے۔

صنفی امتیاز کی جڑیں سماجی ڈھانچے میں پیوست ہیں، اور زبان اس امتیاز کی نمائندہ حیثیت رکھتی ہے۔ چونکہ زبان سماج کا عکس ہوتی ہے، اس لیے اگر معاشرے میں عورت کے لیے محدود دائرہ کار متعین کیا گیا ہے تو وہی محدودیت زبان کے قالب میں بھی ڈھل جاتی ہے۔ اسی طرح مرد کی برتری یا "طاقتور فاعل" کے طور پر تصویر کشی زبان میں بھی ظاہر ہوتی ہے۔ مثلاً جملہ "استاد نے بچوں کو پڑھایا" میں استاد کو لازمی طور پر مرد تصور کیا جاتا ہے، جبکہ "استاد" کا مؤنث استعمال "استادہ" یا "ٹیچر" بہت کم استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح جملے "وہ بڑا آدمی ہے" اور "وہ بڑی عورت ہے" میں معنیاتی فرق بھی جنسی امتیاز کی مثال ہے۔

اردو زبان میں ضمیر، افعال اور صفات کا صنفی تعین اس امتیاز کو مزید واضح کرتا ہے۔ زبان کے اس صنفی نظام میں بعض اوقات عورت کے وجود اور اس کی شناخت کو گمنام، غیر مرئی یا مشروط بنا دیا جاتا ہے۔ مثلاً، اردو زبان میں جب کسی گروہ یا جماعت کی بات کی جاتی ہے جس میں مرد اور عورت دونوں شامل ہوں تو ضمیر اور فعل ہمیشہ مذکر استعمال ہوتا ہے۔ یہ ایک لسانی اصول ہے، مگر اس اصول کے پیچھے ایک گہرا سماجی و ثقافتی رویہ کارفرما ہے جو مرد کو "اصل" اور عورت کو "ضمیمہ" تصور کرتا ہے۔

یہ امتیاز صرف زبان کے اصولی پہلوؤں تک محدود نہیں بلکہ اس کے عملی اور شعوری پہلوؤں میں بھی در آیا ہے۔ روزمرہ کی گفتگو میں بھی ایسے بے شمار جملے سننے کو ملتے ہیں جن میں عورت کی تضحیک، کمتر حیثیت یا نسلی تشخص کو نمایاں کیا گیا ہوتا ہے۔ یہ جملے محض لغوی نہیں بلکہ ثقافتی، نفسیاتی اور نظریاتی عکاسی کرتے ہیں۔ مثلاً، "عورت ذات کا کیا بھروسہ؟"، "عورت کی عقل گھٹنوں میں ہوتی ہے"، یا "عورت کا کام گھر سنبھالنا ہے" جیسے جملے صدیوں پر محیط صنفی تفریق کو تقویت دیتے ہیں۔

لسانیاتی نقطہ نظر سے اگر دیکھا جائے تو زبان میں صنفی امتیاز کا مطالعہ ایک اہم میدان ہے جسے "Gendered Language" یا "Linguistic Sexism" کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس تصور کے تحت یہ سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ کس طرح زبان کے ذریعے صنفی تفریق کی ترویج کی جاتی ہے اور وہ کس طرح روزمرہ سماجی عمل میں رچ بس جاتی ہے۔ اردو زبان کے تناظر میں یہ موضوع مزید اہم اس لیے بھی ہو جاتا ہے کہ اردو میں عربی، فارسی، ہندی، اور انگریزی زبانوں کا امتزاج پایا جاتا ہے اور ہر زبان اپنے ساتھ ایک ثقافتی اور صنفی ورثہ بھی لاتی ہے۔

یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اردو ادب میں صنفی امتیاز کی کئی جہتیں موجود ہیں، خواہ وہ کلاسیکی شاعری ہو یا جدید افسانہ، عورت کو اکثر ایک مخصوص کردار یا دائرے میں پیش کیا گیا ہے۔ کلاسیکی شاعری میں عورت یا تو محبوبہ کے روپ میں نظر آتی ہے یا ایک حسینہ جس کی تعریف و توصیف کی جاتی ہے، جبکہ جدید ادب میں اس کے جذبات، افکار، اور مسائل کو ایک حد تک آواز دی گئی ہے، تاہم لسانی اظہار میں موجود صنفی رجحانات اکثر جوں کے توں برقرار رہے ہیں۔

لسانیاتی تجزیہ ہمیں یہ سمجھنے میں مدد دیتا ہے کہ اردو زبان میں موجود یہ امتیاز محض اتفاقیہ یا روایتی نہیں بلکہ اس کے پیچھے ایک مضبوط ثقافتی و سماجی تناظر موجود ہے۔ زبان نہ صرف ان امتیازات کو ظاہر کرتی ہے بلکہ نئی نسلوں میں اس کو منتقل بھی کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زبان کی اصلاح صرف لسانی نہیں بلکہ سماجی و فکری اصلاح کا تقاضا بھی کرتی ہے۔

یہ مضمون اردو زبان میں صنفی امتیاز کے مختلف مظاہر کا لسانیاتی تجزیہ پیش کرے گا اور اس بات کی وضاحت کرے گا کہ کس طرح زبان کے ذریعے صنفی تفریق پیدا کی جاتی ہے، برقرار رکھی جاتی ہے، اور کس طرح اس کو چیلنج کیا جا سکتا ہے۔ اس مطالعے کے ذریعے ہم اردو زبان کی ساخت، اسلوب، اور معنویت میں پوشیدہ صنفی رویّوں کا گہرا مطالعہ پیش کریں گے تاکہ ایک غیر جانبدار اور مساوی لسانی نظام کی تشکیل کی راہ ہموار ہو سکے۔

اردو زبان میں صنفی حوالہ جات

اردو زبان میں صنفی حوالہ جات کا مسئلہ ایک اہم سماجی اور لسانیاتی پہلو کی نشاندہی کرتا ہے، جہاں زبان کے اندر عورت اور مرد کے لیے استعمال ہونے والے الفاظ، اصطلاحات، اور طرزِ تخاطب میں ایک نمایاں فرق پایا جاتا ہے۔ روزمرہ گفتگو سے لے کر ادبی متون اور ذرائع ابلاغ تک، عورتوں کے لیے استعمال ہونے والی زبان میں اکثر کمتر، محدود یا منفی مفہوم چھپا ہوتا ہے، جیسے "ضعیفہ"، "عورت ذات"، "نازک مخلوق" وغیرہ۔ دوسری جانب مرد کے لیے "قائد"، "محافظ"، یا "سرپرست" جیسے طاقت اور اختیار سے وابستہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں، جو ایک سماجی تصور کو تقویت دیتے ہیں کہ مرد فطری طور پر برتر اور عورت کمزور ہے۔

اس کے علاوہ اردو زبان میں ضمیر اور افعال کا استعمال بھی صنفی بنیادوں پر مرتب کیا گیا ہے۔ مثلاً اردو میں ضمیر "وہ" مرد اور عورت دونوں کے لیے یکساں استعمال ہوتا ہے، لیکن سیاق وسباق میں اکثر مرد کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ مزید برآں، تعلیمی کتب اور اشتہارات میں صنفی امتیاز واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے، جہاں عورت کو اکثر گھریلو کاموں، بچوں کی پرورش یا حسن وجمال سے منسلک کردار میں پیش کیا جاتا ہے، جب کہ مرد کو باہر کی دنیا، تجارت، یا عقل وفہم کے نمائندے کے طور پر دکھایا جاتا ہے۔

یہ صنفی حوالہ جات صرف زبان میں امتیاز کے عکاس نہیں، بلکہ ایک پورے معاشرتی نظام کی ترجمانی کرتے ہیں، جہاں عورت کی شناخت کو محدود اور مرد کی حیثیت کو فوقیت دی جاتی ہے۔ اس لسانی رویے کے اثرات نہ صرف انفرادی سطح پر خود اعتمادی کو متاثر کرتے ہیں، بلکہ سماجی ڈھانچے میں بھی عورت کی حیثیت کو کمزور کرتے ہیں۔ لہٰذا اردو زبان میں صنفی حوالہ جات کا شعوری تجزیہ اور اس کی اصلاح، ایک زیادہ برابری اور انصاف پر مبنی لسانی وسماجی ماحول کے قیام کے لیے نہایت ضروری ہے۔

• لسانی ساخت میں صنفی امتیاز

لسانیات میں صنف کا مطالعہ ایک نہایت اہم اور حساس موضوع ہے، کیونکہ زبان نہ صرف خیالات کے اظہار کا ذریعہ ہے بلکہ معاشرتی اقدار اور رویوں کی عکاسی بھی کرتی ہے۔ زبان کا ڈھانچہ یعنی اس کی ساخت (syntax and morphology) اکثر اوقات ایسے عناصر پر مشتمل ہوتا ہے جو صنفی تعصبات کو فروغ دیتے ہیں یا کم از کم ان کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اردو زبان، جو برصغیر کی ایک بڑی زبان ہے، اس حوالے سے خاص مطالعے کی متقاضی ہے کیونکہ اس میں صنفی حوالے سے کئی سطحوں پر تفریق پائی جاتی ہے۔

اردو زبان کی ساخت میں اسماء، افعال اور ضمائر کی صنفی تقسیم بہت نمایاں ہے۔ اردو میں ہر اسم کی ایک "جنس" متعین ہوتی ہے، جو یا تو مذکر ہوتی ہے یا مؤنث۔ اس تقسیم کی بنیاد اکثر اوقات حیاتیاتی صنف پر ہوتی ہے، مگر بعض اوقات وہ محض روایتی اور ساختیاتی اصولوں پر مبنی ہوتی ہے، جیسے "کتاب" مؤنث اور "دروازہ" مذکر۔ اس صنفی درجہ بندی کا اثر افعال اور صفات پر بھی پڑتا ہے، جو اپنے مطابق تبدیلی اختیار کرتے ہیں، مثلاً: "وہ گیا" اور "وہ گئی"۔ یہ ساختیاتی فرق زبان کو ایک ایسے نظام میں بدل دیتا ہے جہاں صنف ایک ناگزیر جزو بن جاتی ہے، چاہے بات چیت میں اس کی ضرورت ہو یا نہ ہو (1)۔

صنفی امتیاز اس وقت زیادہ واضح ہوتا ہے جب زبان کے استعمال میں عورتوں کو کم تر یا ثانوی حیثیت میں پیش کیا جاتا ہے۔ اردو زبان کے کئی جملے، محاورے، اور روزمرہ کے اظہار ایسے ہیں جو عورتوں کو ایک مخصوص دائرہ کار میں محدود کرتے ہیں، مثلاً "عورت کی عقل گٹھنے میں ہوتی ہے"، یا "لڑکی پرائے گھر کی ہوتی ہے"۔ ایسے محاورے نہ صرف صنفی تعصب کی عکاسی کرتے ہیں بلکہ اس کو فروغ بھی دیتے ہیں، اور ان کا تعلق صرف لغوی معنی سے نہیں بلکہ ساختیاتی سطح پر بھی ہوتا ہے، کیونکہ ان جملوں میں عورتوں کو غیر فعال اور مردوں کو غالب حیثیت دی جاتی ہے۔

لسانی ساخت میں صنفی امتیاز کا ایک اور مظہر ضمائر کی صنفی تفریق ہے۔ اردو میں ضمیر "وہ" کو دونوں اصناف کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، مگر افعال کے ساتھ اس کا صنفی تعلق واضح کیا جاتا ہے، جیسے "وہ آیا" (مذکر) اور "وہ آئی" (مؤنث)۔ اس تفریق کے نتیجے میں جب صنف کو غیر ضروری طور پر ظاہر کیا جاتا ہے تو ایک خاص صنفی حساسیت پیدا ہوتی ہے، جو معاشرتی رویوں کو متاثر کر سکتی ہے۔

اردو زبان میں نوکریوں، پیشوں، اور سماجی کرداروں کے لیے استعمال ہونے والے الفاظ بھی صنفی بنیادوں پر تقسیم شدہ ہیں۔ مثلاً "استاد" اور "استادنی"، "افسر" اور "افسرہ" یا "ملازم" اور "ملازمہ"۔ ان الفاظ کی ساختی تقسیم محض لغوی نہیں بلکہ ایک سماجی پیغام بھی دیتی ہے کہ کون سا پیشہ کس صنف کے لیے مناسب ہے۔ اس میں دلچسپ بات یہ ہے کہ بعض پیشے صرف مذکر ساخت رکھتے ہیں، جیسے "انجینئر"، "پائلٹ"، اور "وکیل"، جن کے مؤنث متبادل یا تو کم مستعمل ہیں یا موجود ہی نہیں۔ اس سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ یہ پیشے صرف مردوں کے لیے مخصوص ہیں (2)۔

اس کے علاوہ، نصابی کتب میں بھی اکثر مثالیں مردوں کے کردار پر مبنی ہوتی ہیں، جیسے "احمد سکول جاتا ہے"، "راشد کرکٹ کھیلتا ہے" وغیرہ۔ ان مثالوں میں مؤنث کرداروں کی کمی سے زبان کا توازن متاثر ہوتا ہے اور بچوں کی ابتدائی لسانی تفہیم میں صنفی تفاوت پیدا ہوتا ہے۔

اردو میڈیا، اشتہارات، اور ڈراموں میں بھی زبان کی ساخت میں صنفی امتیاز دیکھا جا سکتا ہے۔ عورتوں کے لیے نرم، جذباتی، اور گھریلو الفاظ کا استعمال کیا جاتا ہے جبکہ مردوں کے لیے طاقت، اختیار، اور آزادی جیسے الفاظ مستعمل ہوتے ہیں۔ یہ لسانی ساختیاتی فرق نہ صرف زبان کے اندرونی نظام کو متاثر کرتا ہے بلکہ اس کے معاشرتی اثرات بھی بہت گہرے ہوتے ہیں۔

لسانی ساخت میں صنفی امتیاز کے اثرات صرف زبان کی سطح پر نہیں بلکہ اس سے وابستہ ذہنیت پر بھی پڑتے ہیں۔ جب کسی زبان میں ایک خاص صنف کو اکثر غیر فعال، غیر فیصلہ کن یا ثانوی حیثیت میں پیش کیا جاتا ہے تو وہ زبان استعمال کرنے والے معاشرے میں بھی ویسی ہی سوچ جنم لیتی ہے۔ لہٰذا، یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ زبان کے ساختی پہلوؤں کا باریک بینی سے جائزہ لیا جائے تاکہ صنفی مساوات کو فروغ دیا جا سکے۔

• معاشرتی و ثقافتی پس منظر

اردو زبان میں صنفی امتیاز کی لسانی تشکیل اور اس کی جڑیں سماج اور ثقافت میں گہرائی سے پیوست ہیں۔ ہر زبان کسی نہ کسی معاشرے کی عکاس ہوتی ہے، اور یہی زبان اس معاشرتی ڈھانچے کی ساخت اور اقدار کو منتقل کرتی ہے۔ برصغیر کے تناظر میں، اردو ایک ایسی زبان ہے جس نے مسلم، ہندو، فارسی، ترک، اور انگریز ثقافتوں کے ملاپ سے جنم لیا، اور ان تمام تہذیبی اثرات نے اردو کے لسانی اور معنوی ڈھانچے کو متاثر کیا۔

اردو میں عورتوں کے لیے مخصوص الفاظ اور محاورے کئی بار ان کی حیثیت کو محدود کرنے والے ہوتے ہیں، مثلاً "نازک صنف"، "گھر داری"، "عورت ذات" جیسے الفاظ معاشرتی طور پر صنفی کرداروں کو متعین کرتے ہیں۔ یہ زبان کے ذریعے خواتین کو صرف گھریلو دائرے میں محدود کرنے کے رجحانات کی نشاندہی کرتا ہے۔ اسی طرح "مردانگی"، "غیرت"، "بہادری" جیسے الفاظ مردوں کے لیے استعمال ہوتے ہیں جو طاقت، اقتدار اور اختیار کی علامت سمجھے جاتے ہیں۔ اس امتیاز کی جڑیں صرف لغوی سطح تک محدود نہیں بلکہ معاشرتی رویوں میں گہری پیوست ہوتی ہیں (3)۔

ثقافتی روایات بھی زبان میں صنفی امتیاز کے ارتقاء میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ اردو شاعری میں حسن و عشق کے موضوعات میں عورت کو ایک پرکشش مگر خاموش کردار کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ اسے ایک موضوع بنایا جاتا ہے، اظہار کی طاقت نہیں دی جاتی۔ اس طرح کے رجحانات لسانی تشکیل کے ساتھ ساتھ ثقافتی نفسیات کو بھی ظاہر کرتے ہیں۔ اردو زبان کے روایتی محاورے اور کہاوتیں بھی اسی معاشرتی سوچ کی غمازی کرتی ہیں، مثلاً: "عورت کی زبان اور جوتی کی نوک" جیسے جملے عورت کی رائے اور خود مختاری کو کمتر سمجھنے کا اظہار کرتے ہیں (4)۔

صنفی علامتوں کی تعبیر

اردو زبان میں "علامت" محض لغوی یا نحوی سطح پر محدود نہیں بلکہ ایک گہرے تہذیبی، فکری اور سماجی نظام کی نمائندگی کرتی ہے۔ علامتیں کسی معاشرے کے اجتماعی شعور، اس کی اقدار، نظریات اور رویوں کی عکاس ہوتی ہیں۔ جب صنفی امتیاز کی بات کی جاتی ہے تو زبان میں پائی جانے والی علامتیں بہت واضح انداز میں عورت اور مرد کے کرداروں، حیثیتوں اور توقعات کو الگ الگ انداز میں متعین کرتی ہیں۔ اردو ادب، روزمرہ محاورات، لوک داستانوں اور ضرب الامثال میں موجود علامتیں نہ صرف صنفی ساخت کی مظہر ہیں بلکہ اس کے اندر گہرے ثقافتی اور نفسیاتی معانی بھی سموئے ہوتے ہیں۔

مثال کے طور پر اردو ادب میں "چاند"، "پھول"، "غزل"، "پائل"، "چوڑی"، "رنگین آنچل" جیسی علامتیں عمومی طور پر خواتین کے لیے استعمال کی جاتی ہیں، جو نرمی، نزاکت، خوبصورتی اور انفعالی حیثیت کو ظاہر کرتی ہیں۔ دوسری جانب "شمشیر"، "شیر"، "آسمان"، "قدموں کی گرج"، "علم" جیسے الفاظ مردانگی، اقتدار، تحرک اور قیادت کی علامتوں کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں۔ اس تفریق سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ زبان محض ابلاغ کا ذریعہ نہیں بلکہ طاقت، حیثیت اور شناخت کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے (5)۔

اردو شاعری اور افسانے میں عورت کی علامتی حیثیت اکثر ایک "محبوبہ"، "وفادار بیوی"، یا "قربانی دینے والی ماں" کے روپ میں سامنے آتی ہے۔ اس علامتی تشکیل میں عورت کا وجود غیر فعالی، صبر، ایثار اور خاموشی سے وابستہ ہوتا ہے۔ وہ نجات دہندہ نہیں، بلکہ نجات کی منتظر ایک ہستی کے طور پر پیش کی جاتی ہے۔ اس کے برعکس مرد اکثر "محافظ"، "سرپرست" اور "کارنامے انجام دینے والا" کردار اختیار کرتا ہے۔ یہ علامتی درجہ بندی نہ صرف صنفی تفریق کو مضبوط کرتی ہے بلکہ سماجی رویوں کو بھی جواز مہیا کرتی ہے۔

علامتی نظام صرف ادبی متون تک محدود نہیں بلکہ روزمرہ زبان میں بھی اپنی جھلک دکھاتا ہے۔ جیسے "گھونگھٹ اٹھانا"، "سر جھکانا"، "آنکھ نیچی رکھنا"، "چپ چاپ بیٹھی رہنا"، یہ تمام علامتیں عورت کے لیے مخصوص کی گئی ہیں، جو معاشرتی سطح پر اس کے کردار کی شناخت بن چکی ہیں۔ اس کے برعکس "سینہ تان کر چلنا"، "اونچی آواز میں بولنا"، "فیصلہ کرنا"، یہ علامتیں مردوں سے وابستہ کر دی گئی ہیں جو اختیار اور قوت کی نمائندگی کرتی ہیں (6)۔

صنفی علامتوں کی تعبیر کا ایک اور اہم پہلو یہ ہے کہ وہ زمان و مکان کے ساتھ بدلتی ہیں۔ بیسویں صدی کے بعد اردو ادب میں ایسی علامتیں بھی ابھرنے لگیں جو عورت کو روایتی حدود سے نکال کر ایک فعال، خود مختار اور مزاحمت کرنے والی شخصیت کے طور پر پیش کرتی ہیں۔ جیسے "چٹان"، "لہو"، "قلم"، اور "دھوپ" جیسی علامتیں نئی عورت کی نمائندگی کرنے لگیں۔ ان علامتوں کے ذریعے نہ صرف عورت کی بدلتی ہوئی سماجی حیثیت کو اجاگر کیا گیا بلکہ صنفی امتیاز کے خلاف ایک فکری مزاحمت کی بنیاد بھی رکھی گئی۔

تاہم، عمومی سطح پر صنفی علامتوں کی تعبیر آج بھی کئی معاملات میں مرد کی برتری اور عورت کی تابع داری کو واضح کرتی ہے۔ یہ علامتیں نہ صرف سماجی بیانیے کو تشکیل دیتی ہیں بلکہ فرد کی شعوری اور لاشعوری ساخت پر بھی اثر انداز ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج کے دور میں صنفی مساوات کے تناظر میں زبان اور علامتوں کا تنقیدی جائزہ لینا از حد ضروری ہو گیا ہے۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ علامتی زبان کے ذریعے صنفی امتیاز کو صرف بیان ہی نہیں کیا جاتا بلکہ اسے پختہ بھی کیا جاتا ہے۔ ایک مخصوص زبان اور علامتوں کے نظام کے ذریعے عورت کو ایک خاص فریم میں قید کر دیا جاتا ہے، اور جب تک اس علامتی نظام کو تبدیل نہ کیا جائے، صنفی مساوات کا خواب ادھورا رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ جدید لسانیات اور نسائی مطالعے زبان کے اس علامتی ڈھانچے کو توڑنے اور نئے معنیاتی امکانات تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

لہٰذا، صنفی علامتوں کی تعبیر ایک ایسا عمل ہے جو صرف زبان کی سطح پر نہیں بلکہ معاشرتی، نفسیاتی اور فکری سطح پر بھی تبدیلی کا متقاضی ہے۔ جب تک زبان میں پائی جانے والی علامتیں مرد و زن کے غیر مساوی کردار کو ظاہر کرتی رہیں گی، تب تک صنفی انصاف کی جدوجہد بھی مکمل نہیں ہو سکتی۔ لسانیات کا فریضہ ہے کہ وہ اس امتیازی علامتی نظام کی شناخت کرے، اس کا تجزیہ کرے اور ایک متبادل فکری راستہ تجویز کرے۔

لسانی پالیسی اور صنفی مساوات

زبان انسانی تہذیب کا بنیادی ستون ہے جو محض خیالات اور جذبات کے اظہار کا ذریعہ نہیں بلکہ معاشرتی ڈھانچوں، طاقت کے نظاموں، اور صنفی رویوں کا عکاس بھی ہے۔ لسانی پالیسی ان اصولوں، فیصلوں اور حکمتِ عملیوں پر مشتمل ہوتی ہے جو کسی معاشرے میں زبان کے استعمال، تعلیم، فروغ اور ترقی کو منظم کرتی ہے۔ اس کے ذریعے یہ طے کیا جاتا ہے کہ کون سی زبان یا اسلوب اختیار کیا جائے اور کس صنف کے لیے زبان کیسا کردار ادا کرے گی۔

صنفی مساوات کا تصور زبان کی ساخت اور اس کے استعمال میں گہرا پیوست ہوتا ہے۔ کئی معاشروں میں رائج زبانیں یا ان کے استعمال کے طریقے صنفی امتیاز کو فروغ دیتے ہیں، جیسے کہ وہ الفاظ، اصطلاحات، یا محاورے جو عورت کو کم تر، ثانوی یا غیر اہم ظاہر کرتے ہیں۔ اردو زبان میں روزمرہ گفتگو سے لے کر سرکاری دستاویزات اور تعلیمی مواد تک ایسی کئی مثالیں ملتی ہیں جہاں مرد صنف کو مرکزی حیثیت دی جاتی ہے، جب کہ خواتین یا دیگر صنفی شناختیں پس منظر میں چلی جاتی ہیں(7)۔

لسانی پالیسی کے تحت نصابی کتب، ذرائع ابلاغ، عدالتی نظام، اور سرکاری زبان کو تشکیل دیا جاتا ہے۔ ان تمام ذرائع میں اگر صنفی حساسیت شامل نہ ہو، تو وہ امتیازی رویوں کو دوام دے سکتے ہیں۔ اگر نصابی کتابوں میں صرف مرد کرداروں کو عقلمند، طاقتور اور رہنما بنا کر پیش کیا جائے، یا روزمرہ کی سرکاری زبان میں صرف مذکر صیغے استعمال کیے جائیں، تو لسانی پالیسی عملاً صنفی غیر مساوات کو فروغ دے رہی ہوتی ہے۔

مغربی دنیا میں اس مسئلے پر خاص توجہ دی گئی ہے۔ کئی ممالک نے صنفی غیر جانبدار زبان اپنانے کے لیے اپنی لسانی پالیسیوں میں تبدیلی کی۔ انگریزی میں "chairman" کی جگہ "chairperson" اور "policeman" کی جگہ "police officer" جیسے الفاظ کا استعمال عام ہو چکا ہے۔ یہ تبدیلیاں محض الفاظ کی حد تک نہیں بلکہ ان کے پیچھے سوچ اور معاشرتی شعور میں تبدیلی کی عکاس بھی ہیں۔

اردو زبان میں صنفی مساوات پر مبنی لسانی پالیسی کو فروغ دینے کے لیے کئی عملی اقدامات کیے جا سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر، تعلیم کے میدان میں لڑکیوں اور عورتوں کے کردار کو مثبت، بااختیار اور فعال انداز میں دکھانا چاہیے۔ اسی طرح، سرکاری خط و کتابت میں ایسے جملوں اور اصطلاحات کو ترجیح دی جائے جو دونوں یا تمام صنفی شناختوں کو شامل کریں۔

زبان کے انتخاب اور استعمال میں صنفی حساسیت اس وقت زیادہ اہمیت اختیار کر لیتی ہے جب ہم اسے سماجی انصاف کے آلے کے طور پر دیکھیں۔ زبان جب کسی خاص صنف کو ترجیح دیتی ہے تو وہ دیگر صنفوں کو پسماندہ، خاموش یا غیر مرئی بنا دیتی ہے۔ ایسی زبان طاقت کے عدم توازن کو قائم رکھتی ہے اور خواتین، خواجہ سرا افراد اور دیگر صنفی اقلیتوں کو معاشرے میں برابر مقام حاصل کرنے سے روکتی ہے(8)۔

لسانی پالیسی کی تبدیلی صرف ادارہ جاتی سطح پر ہی نہیں بلکہ عوامی شعور میں تبدیلی کے ساتھ ہی ممکن ہے۔ میڈیا، تعلیمی ادارے، اور مذہبی و ثقافتی تنظیمیں لسانی رویوں میں تبدیلی لا کر صنفی برابری کو فروغ دے سکتی ہیں۔ اگر سرکاری پالیسیوں میں صنفی غیر جانبدار زبان کو لازم قرار دیا جائے، تو یہ پورے معاشرے میں مثبت تبدیلی کا آغاز بن سکتی ہے۔

اردو زبان میں بھی کئی مواقع پر صنفی امتیاز نمایاں ہوتا ہے، جیسے "مردانگی"، "غیرت"، "عورت ذات"، اور دیگر محاورات جو عورت کی ذات کو کمزور، محتاج یا ناپسندیدہ ظاہر کرتے ہیں۔ لسانی پالیسی اگر چاہے تو ایسے الفاظ کی حوصلہ شکنی کر کے نئی اصطلاحات رائج کر سکتی ہے جو صنفی برابری کو فروغ دیں۔ تعلیمی ادارے اس تبدیلی کا آغاز کر سکتے ہیں۔

یہ بھی قابل ذکر ہے کہ کئی ترقی یافتہ ممالک میں لسانی پالیسی کو انسانی حقوق سے جوڑ دیا گیا ہے۔ وہاں زبان کے ذریعے نہ صرف اقلیتوں کے حقوق بلکہ صنفی مساوات کے لیے بھی اقدامات کیے جاتے ہیں۔ پاکستان جیسے معاشرے میں بھی وقت آ چکا ہے کہ ہم زبان کو محض ابلاغ کا ذریعہ نہ سمجھیں بلکہ اسے سماجی ترقی کا ہتھیار بنائیں۔

نتیجہ یہ ہے کہ لسانی پالیسی محض زبانوں کے فروغ یا ترجیح کا مسئلہ نہیں بلکہ یہ براہ راست معاشرتی ڈھانچوں، صنفی رویوں، اور سماجی انصاف سے متعلق ہے۔ اگر زبان کو صنفی مساوات کے فروغ کا ذریعہ بنانا ہے تو ہمیں اپنی پالیسیوں، اداروں اور رویوں میں ایسی تبدیلیاں لانی ہوں گی جو تمام صنفوں کو زبان کے ذریعے بااختیار بنائیں۔

اردو ادب اور میڈیا میں صنفی زبان

زبان محض اظہارِ خیال کا ذریعہ نہیں بلکہ انسانی شعور، سماجی رویوں اور ثقافتی قدروں کی عکاس بھی ہے۔ جب ہم زبان کو صنفی تناظر میں دیکھتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا استعمال اکثر غیر محسوس انداز میں صنفی امتیاز کو فروغ دیتا ہے۔ اردو ادب اور ذرائع ابلاغ (میڈیا) میں صنفی زبان کے استعمال نے سماجی شعور پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں، جو بعض اوقات مثبت ہوتے ہیں لیکن زیادہ تر صورتوں میں عورت اور دیگر صنفی طبقات کے لیے امتیازی رویوں کا باعث بنتے ہیں۔

اردو ادب، خواہ وہ شاعری ہو یا نثر، صدیوں سے صنفی ساختوں کا ترجمان رہا ہے۔ کلاسیکی شاعری میں عورت کو حسن، عشق، وفا یا بے وفائی کے استعاروں میں پیش کیا جاتا رہا، جب کہ مرد کو عقل، بہادری اور قیادت کی علامت کے طور پر دکھایا گیا۔ اگرچہ یہ امیجز اس وقت کے ثقافتی اور معاشرتی پس منظر سے جڑے ہوئے تھے، لیکن ان کی موجودگی نے زبان میں صنفی امتیاز کی جڑیں مضبوط کر دیں۔

جدید اردو ادب میں اگرچہ صنفی شعور بیدار ہوا ہے، لیکن صنفی زبان کے استعمال میں اب بھی کئی چیلنجز موجود ہیں۔ خواتین کے کردار اکثر ثانوی نوعیت کے ہوتے ہیں، یا پھر انہیں محدود دائرے میں دکھایا جاتا ہے، جیسے ماں، بیوی، محبوبہ یا مظلوم عورت۔ دوسری طرف مرد کرداروں کو فیصلہ کن، عقلمند اور متحرک دکھایا جاتا ہے۔ یہی فرق زبان کے استعمال میں بھی ظاہر ہوتا ہے، جہاں الفاظ اور جملے صنفی امتیاز کی نمائندگی کرتے ہیں۔

مثال کے طور پر، اردو فکشن میں اکثر عورتوں کے لیے "کمزور جنس"، "نرم مزاج"، "شرمیلی"، "گھریلو" جیسے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں، جب کہ مردوں کے لیے "طاقتور"، "بہادر"، "فیصلہ کن"، اور "غیرت مند" جیسے القابات مخصوص ہوتے ہیں۔ ان الفاظ کا بار بار استعمال سامع یا قاری کے ذہن میں صنفی کرداروں کا ایک خاص تصور قائم کر دیتا ہے(9)۔

ذرائع ابلاغ میں صنفی زبان کا اثر اردو ادب سے کہیں زیادہ وسیع اور طاقتور ہے۔ ٹیلی ویژن ڈرامے، نیوز چینلز، اشتہارات، سوشل میڈیا، اور ریڈیو جیسے پلیٹ فارمز پر زبان کا استعمال براہِ راست عوامی شعور پر اثر انداز ہوتا ہے۔ میڈیا میں صنفی زبان بعض اوقات بہت ظالمانہ اور دقیانوسی رویوں کو فروغ دیتی ہے۔ عورت کو اکثر اشیاء کی طرح پیش کیا جاتا ہے، جیسے خوبصورتی کے معیار پر پورا اترنے والی، خدمت گزار، یا قربانی دینے والی شخصیت۔

اشتہارات میں خواتین کو اکثر گھریلو مصنوعات یا خوبصورتی سے متعلق اشیاء کے ساتھ جوڑا جاتا ہے، جب کہ مردوں کو مضبوطی، ذہانت، قیادت یا طاقت کی علامت بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ اس طرح کی زبان اور تصویری نمائندگی صنفی مساوات کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہے۔ زبان یہاں محض الفاظ کا مجموعہ نہیں بلکہ نظریاتی ہتھیار بن جاتی ہے جو سماجی ڈھانچوں کو تقویت دیتی ہے(10)۔

اس کے برعکس، کچھ ترقی پسند ادیبوں اور صحافیوں نے صنفی زبان کے خلاف آواز بلند کی ہے۔ فیمینسٹ ادبی تحریک نے اردو ادب میں خواتین کی نئی شناخت کو زبان کے ذریعے اجاگر کیا ہے۔ عصمت چغتائی، قرۃ العین حیدر، اور فہمیدہ ریاض جیسی شخصیات نے اپنے ادب میں ایسی زبان استعمال کی جو عورت کو محض ایک کردار نہیں بلکہ ایک مکمل انسان کے طور پر پیش کرتی ہے۔

اسی طرح، جدید میڈیا میں بھی کچھ پروگرامز اور ڈرامے صنفی حساس زبان کے استعمال کو فروغ دے رہے ہیں۔ لیکن اس کوشش کو منظم انداز میں اپنانے کی ضرورت ہے تاکہ میڈیا ایک مثبت صنفی شعور پیدا کرنے والا پلیٹ فارم بن سکے۔

صنفی مساوات کے فروغ کے لیے یہ ضروری ہے کہ اردو ادب اور میڈیا دونوں میں زبان کے استعمال پر نظرثانی کی جائے۔ زبان میں ایسے الفاظ اور جملے اپنائے جائیں جو کسی صنف کی توہین یا تذلیل کا سبب نہ بنیں، بلکہ ہر فرد کو برابری، احترام اور آزادی فراہم کریں۔

اردو ادب اور میڈیا میں صنفی زبان کا استعمال محض لسانی مسئلہ نہیں بلکہ ایک سماجی اور ثقافتی چیلنج بھی ہے۔ جب تک ادب اور میڈیا اپنی زبان کے ذریعے صنفی مساوات کو فروغ نہیں دیں گے، اس وقت تک معاشرے میں حقیقی برابری ممکن نہیں۔ لہٰذا، زبان کو شعوری طور پر ایسا بنایا جانا چاہیے جو تمام صنفوں کے لیے باعزت، باوقار اور مساوی شناخت قائم کرے۔

اردو ادب اور میڈیا میں صنفی زبان کے استعمال کا جائزہ لینے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ زبان محض اظہار کا ذریعہ نہیں، بلکہ ایک طاقتور سماجی آلہ ہے جو معاشرتی رویوں، اقدار، اور شناختوں کو تشکیل دینے میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ زبان میں استعمال ہونے والے الفاظ، جملے، محاورے، اور بیانیے محض لغوی معانی تک محدود نہیں ہوتے بلکہ ان کے پیچھے ایک مخصوص سماجی اور ثقافتی نظام کار فرما ہوتا ہے، جو صنفی درجہ بندی کو قائم رکھنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔

اردو ادب، خاص طور پر کلاسیکی ادب، نے عورت کو ایک خاص سانچے میں ڈھال کر پیش کیا، جہاں وہ زیادہ تر مرد کرداروں کے تابع نظر آتی ہے۔ اس سانچے میں عورت کو حسن، وفا، قربانی، کمزوری یا مظلومیت کی علامت بنایا گیا، جب کہ مرد کو عقل، قیادت، جرات اور اختیار کا مظہر قرار دیا گیا۔ یہ صنفی نمائندگی زبان کے ذریعے قاری کے ذہن میں بیٹھتی ہے اور شعوری یا لاشعوری طور پر سماجی رویوں کو متاثر کرتی ہے۔

جب ہم جدید اردو ادب کو دیکھتے ہیں تو وہاں ایک تبدیلی کا احساس ضرور ہوتا ہے، لیکن صنفی زبان کی بنیادیں اب بھی زیادہ تر وہی ہیں۔ عورت کو مرکزی کردار کے طور پر پیش کرنے کی کوششیں ضرور کی گئی ہیں، مگر اکثر ان کرداروں میں بھی وہی روایتی نسوانی خصوصیات غالب آتی ہیں۔ صنفی مساوات کے لیے ضروری ہے کہ کرداروں کی تخلیق میں صنف کی بجائے فرد کی انفرادیت اور قابلیت کو ترجیح دی جائے۔

میڈیا کا کردار اردو ادب سے بھی زیادہ اہم اور فوری نوعیت کا ہے، کیونکہ میڈیا کا دائرہ اثر وسیع ہے اور اس کی رسائی براہِ راست عوام تک ہے۔ ٹیلی ویژن، اخبارات، سوشل میڈیا، اور اشتہارات روزمرہ کی زندگی میں صنفی زبان کے استعمال کو متعین کرتے ہیں۔ میڈیا میں استعمال ہونے والی زبان اور تصاویر اکثر عورت کو محدود، جذباتی، یا ظاہری حسن تک محدود کر کے پیش کرتی ہیں، جب کہ مردوں کو بااختیار، عملی، اور عقلمند ظاہر کیا جاتا ہے۔ یہ تاثر سماجی شعور پر براہ راست اثر ڈالتا ہے اور صنفی ناہمواری کو مزید تقویت دیتا ہے۔

میڈیا میں صنفی زبان کے استعمال کا ایک منفی پہلو یہ بھی ہے کہ یہ خواتین کو صارفین، شے یا جنسی علامت کے طور پر پیش کرتا ہے۔ ایسے اشتہارات اور پروگرامز جو عورت کو محض ایک جسمانی وجود یا گھریلو خدمات تک محدود رکھتے ہیں، وہ نہ صرف صنفی امتیاز کو فروغ دیتے ہیں بلکہ خواتین کی حقیقی شناخت، کردار، اور خدمات کو پس پردہ ڈال دیتے ہیں۔ یہی رویہ معاشرے میں خواتین کے خلاف تعصب، تفریق، اور عدم مساوات کی بنیاد بنتا ہے۔

تاہم، ادب اور میڈیا دونوں میں مثبت تبدیلیوں کی جھلکیاں بھی نظر آتی ہیں۔ چند ترقی پسند ادیبوں اور جدید میڈیا پروڈیوسرز نے صنفی زبان کے استعمال پر تنقید کی ہے اور اس کے متبادل بیانیے متعارف کرانے کی کوشش کی ہے۔ خواتین کرداروں کو متحرک، خود مختار، اور باصلاحیت انداز میں پیش کرنے کا رجحان بھی اب دیکھنے کو مل رہا ہے، جو خوش آئند ہے۔

صنفی زبان کی اصلاح ایک فوری ضرورت ہے، جس کے لیے صرف ادیب یا صحافی نہیں بلکہ معاشرے کے تمام طبقات کو اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔ تعلیمی اداروں میں زبان کے استعمال پر بحث کو فروغ دینا، میڈیا اداروں میں صنفی حساسیت کی تربیت، اور عوامی شعور کی بیداری جیسے اقدامات صنفی مساوات کے قیام میں مؤثر ہو سکتے ہیں۔ خاص طور پر زبان کی سطح پر صنفی امتیاز کی نشان دہی اور اس کے متبادل پیش کرنا ایک ایسا عمل ہے جس سے معاشرتی سطح پر بڑی تبدیلی لائی جا سکتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب تک زبان میں صنفی برابری کا اصول شامل نہیں ہوگا، اس وقت تک صنفی مساوات کا خواب مکمل نہیں ہو سکتا۔ ادب اور میڈیا کو یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ زبان ایک سماجی ذمہ داری ہے، اور اس کا ہر لفظ کسی نہ کسی نظریے یا تعصب کو جنم دے سکتا ہے۔ اگر صنفی امتیاز سے پاک اور شمولیتی زبان کو فروغ دیا جائے تو نہ صرف ادب اور میڈیا کا معیار بلند ہوگا بلکہ معاشرے میں بھی مثبت اور دیرپا تبدیلی ممکن ہوگی

حوالہ جات

:1انور، شمیم۔لسانیات اور اردو زبان . مقتدرہ قومی زبان،2010،ص112۔

:2سعید، فوزیہ۔زبان، صنف، اور سماج . سنگ میل پبلی کیشنز،2015،ص89۔

.3فاطمہ، رفعت۔اردو زبان اور عورت کا امیج . نیشنل بک فاؤنڈیشن،2017،صفحہ 55۔

.4احمد، ناصر۔لسانیات اور ثقافت: ایک مطالعہ . مقتدرہ قومی زبان،2014،صفحہ 92۔

.5عباسی، شمیم۔اردو میں نسائی علامتیں: ایک لسانی مطالعہ . مقتدرہ قومی زبان،2011،صفحہ 61۔

.6حسن، رفیق۔لسانی علامت اور صنف کا بیانیہ . سنگ میل پبلی کیشنز،2015،صفحہ 88۔

7 فہمیدہ ریاض، زبان اور صنف، سنگ میل پبلیکیشنز،2004،ص71۔

8 نگہت سعید، لسانی پالیسی اور صنفی مساوات، قندیل پبلشرز،2011،ص102۔

9 طاہرہ مظہر، ادب میں عورت کی تصویر کشی، سنگ میل پبلیکیشنز،2002،ص88۔

10 سائرہ یاسمین، اردو میڈیا اور صنفی امتیاز، جامعہ کراچی پبلیکیشنز،2014،ص121۔